اسلامی قانون سازی کے چند بنیادی اصول

جناب سراج احمد فاروقی صاحب
شعبہ علوم اسلامی۔ جامعہ کراچی

اسلامی فقہ کے چند قواعد کلیہ

لغت میں قاعدہ بنیاد اور بنیاد کو کہتے ہیں لیکن فقہاء کی اصطلاح میں قاعدہ اس حکم کلی کو کہتے ہیں جو اس کے تمام جزئیات یا اکثر جزئیات پر منطبق ہو تاکہ جزئیات کے احکام اس حکم کلی سے معلوم ہو سکیں۔ (۱)

فقہ اسلامی میں ان قواعد کی بہت بڑی تعداد ہے۔ جن میں سے ہر ایک قاعدہ بہت سے فقہی مسائل کا جامع و ضابطہ ہے۔ (۲)

فقہاء نے ان قواعد کو فقہ کے فروعی مسائل کو تلاش کر کے اور ان میں ہر ایک مجموعہ کو ایک عام قاعدہ کیطرف رجوع کر کے بنایا ہے۔ وہ عام قاعدہ ایسا ہوتا ہے جس کا عام حکم اس مجموعہ کے تمام یا اکثر جزئیات میں جاری ہوتا ہے۔ اور جزئیات بعض معانی میں اس مجموعہ کے مشابہ ہوتے ہیں۔

فقہ کے یہ قواعد اصولِ فقہ کے قواعد سے مختلف ہیں اس لئے کہ اصول فقہ ایسے طریقے مقرر کرتا ہے جن کی پابندی شریعت کے تفصیلی دلائل سے احکام مستنبط کرنے کے لئے فقیہ کو کرنی پڑتی ہے۔ (۳) لیکن فقہی قواعد تو ان مبادی عامہ کے قبیل سے ہیں جو شریعت کے عام احکام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اور ان تمام واقعات وحادثات پر منطبق ہوتے ہیں جو اس کے موضوع کے تحت داخل ہوں۔ (۴)

اسلامی فقہ میں ان قواعد کا بڑا اہم مقام ہے اس لئے کہ یہ قواعد فقہ کے طالب علم میں فقہی ملکہ پیدا کرتے ہیں اور جزئیات کے احکام پہچاننے میں ممد و معاون بنتے ہیں اور فقہ اسلامی میں قانونی افکار و تصورات واضح کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایک سے زائد فقہاء نے اس کے عظیم فائدہ اور اسکی فضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ مشہور فقیہ قرافی ارشاد فرماتے ہیں :۔

> "اور دوسری قسم فقہ کے قواعد کلیہ ہیں جو کہ جلیل القدر ہیں اور کثیر تعداد میں ہیں بڑی مدد کرنے والے ہیں۔ اور شریعت کے رموز و حکمت پر مشتمل ہیں اور ہر قاعدہ کے تحت شریعت میں بیشمار

فروعی مسائل ہیں اور یہ قواعد فقہ میں بہت اہم اور بے حد نفع بخش ہیں اور فقیہ جس قدر ان قواعد پہ محیط ہوگا اسی قدر اسکی شرافت وعظمت میں اضافہ ہوگا۔" (۵)

ان قواعد کلیہ کی تفصیل مختصراً ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ امور کا اعتبار ان کے مقاصد کے مطابق ہوتا ہے۔

اس قاعدہ کی بنیاد حدیث انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی۔ الخ پہ ہے۔ (۶) یعنی عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جسکی وہ نیت کرے۔ الخ اس قاعدہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات میں شرعی احکام ان کے ارادہ کے مطابق مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ انسان کبھی ایک عمل کسی خاص ارادہ سے کرتا ہے تو اس کے اس عمل پہ ایک حکم مرتب ہوتا ہے۔ اور کبھی وہی کام ایک دوسرے ارادہ سے انجام دیتا ہے۔ تو اس پہ دوسرا حکم مرتب ہوتا ہے۔ (۷) مثلاً گم شدہ چیز پانیوالے کو امین سمجھا جاتا ہے اور اگر اسکی کوتاہی یا زیادتی کے بغیر اس کے ہاتھ سے ضائع ہوجائے تو اس پہ کوئی تاوان نہیں ہوتا بشرطیکہ اس گم شدہ چیز کو اٹھانے سے اس کا مقصد اسکی حفاظت کرنا اور اس کے مالک کو واپس کرنا ہو لیکن اگر اس کو اٹھانے سے اس کا مقصد اس چیز کا مالک بننا ہو تو اسے غاصب سمجھا جائیگا اور اس کے ہلاک یا ضائع ہونے کی صورت اس پہ تاوان عائد ہوگا۔ اگرچہ اس کی طرف سے کوئی کوتاہی یا زیادتی نہ ہوئی ہو۔ اسی طرح بیع فعل مضارع کے لفظ سے منعقد ہوجاتی ہے۔ جبکہ اس سے زمانہ حال کا ارادہ کرے۔ (یعنی یہ کہے کہ میں تجھ کو اپنا گھوڑا بیچتا ہوں) لیکن اگر زمانہ مستقبل کا ارادہ کرے۔ (یعنی یہ کہے کہ تجھے اپنا گھوڑا بیچوں گا۔) تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔

اور جسطرح دنیاوی امور میں فاعل کے ارادے کے مطابق فعل پہ مختلف احکام مرتب ہوتے ہیں اسی طرح دینی امور میں بھی حلال وحرام ہونے کے اعتبار سے فاعل کے ارادے کے مطابق فعل کا حکم بدل جاتا ہے۔ مثلاً نکاح اسلام کی ایک سنت ہے لیکن یہ اس وقت حرام ہوجاتا ہے۔ جب کہ اس کا مقصد بیوی کو تکلیف پہنچانا یا اس پہ ظلم کرنا ہو۔ اسی لئے بیوی کو آزاد کرنے کے مقابلے میں اس کے روکے رکھنے کو اللہ تعالیٰ صرف اسی وقت زیادہ پسند فرماتا ہے۔ جب کہ روکنے کا مقصد زوجیت کی زندگی کو باقی رکھنا اور بیوی کے حقوق کو ادا کرنا ہو لیکن اگر روکنے کا مقصد عورت کو تکلیف پہنچانا ہو تو یہ روکنا حرام ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ۔ (۸)

یعنی ان عورتوں کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت روکے رکھو اس ارادے سے کہ ان پہ ظلم کیا کرو گے۔ اور جو شخص ایسا کرے گا سو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔

یہ امر قابل لحاظ ہے۔ کہ اس قاعدہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ صرف وہ نیت جس سے کسی فعل کا تعلق نہ ہو اس پہ کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا۔ لہذا اگر کسی شخص نے بیوی کو طلاق دینے کی صرف نیت کی لیکن اس کو طلاق نہیں دی تو اس کو طلاق

واقع نہیں ہوگی۔(۹) اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنے گھر کو فروخت یا ھبہ کرنے کی نیت کی لیکن اپنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں بولا جو اسکی نیت پر دلالت کرے تو وہ فعل واقع نہیں ہوگا جسکی اس نے صرف نیت کی ہے۔

۲۔عقود میں مقاصد و معانی کا اعتبار ہوتا ہے۔الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

پہلا قاعدہ اس دوسرے قاعدے کو مشتمل ہے۔اس لئے کہ عقد ان امور میں سے ہے جن کو انسان انجام دیتا ہے۔ اور جس طرح ان امور پر احکام مرتب کرنے میں فاعل کا مقصد پیش نظر ہوتا ہے۔اسی طرح عقد میں حکم کرنے میں فاعل کا قصد پیش نظر ہوتا ہے۔ لہٰذا عقود میں محض الفاظ پر احکام مرتب نہیں ہوتے یعنی جن معانی پر یہ الفاظ مشتمل ہوتے ہیں صرف ان پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا۔بلکہ صیغہ عقد میں مستعمل الفاظ سے عاقدین کا جو مقصد ہوتا ہے۔اس پر احکام مرتب ہوتے ہیں۔اس لئے کہ کلام کا حقیقی مقصد معانی ہیں اور مقاصد ہی عقود کی حقیقت ہیں اور الفاظ کا اعتبار صرف اس لئے کیا جاتا ہے۔کہ وہ مقاصد پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا جب مقصد ظاہر ہو جائے تو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اسی پر حکم مرتب ہوگا۔لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے۔کہ الفاظ بالکل مہمل ہیں بلکہ وہ معنی کے قالب ہیں۔ لہٰذا پہلے تو الفاظ کے ظاہری معانی کا لحاظ کیا جائے گا۔لیکن جب ظاہری معنی اور عاقدین کے مقصد کو جمع کرنا دشوار ہو جائے تو معانی مقصود کی طرف رجوع کیا جائے گا۔اور الفاظ کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور عاقدین کے مقصد کا پتہ صیغہ عقد یا قرینہ حال سے چلے گا۔اسی لئے صیغہ اور معنی مقصود کے درمیان مناسبت ہونا ضروری ہے۔ (۱۰)

اس قاعدہ کے فروع میں سے مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔ (۱۱)

(الف) ہبہ میں اگر معاوضہ کی شرط ہو تو ہبہ نہیں ہوگا بلکہ بیع ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ پچاس دینار کے بدلے میں میں نے تم کو یہ گھوڑا ہبہ کیا اور دوسرے نے اسے قبول کر لیا۔تو اسے بیع شمار کیا جائے گا۔اگرچہ اس کے لئے ہبہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے

(ب) عاریت میں اگر معاوضہ کی شرط ہو تو اسے اجارہ شمار کیا جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہے کہ میں نے تم کو پانچ دینار کے عوض اپنی سائیکل عاریت دی تاکہ تم اس سے فلاں مقام تک سفر کرو اور دوسرے شخص نے اسے قبول کر لیا تو یہ عاریت نہیں ہوگی۔بلکہ اجارہ ہوگا۔

(ج) اگر کسی شخص نے اس شرط کے ساتھ عقد حوالہ کیا کہ اصل سے بری الذمہ نہ ہوگا۔تو اسے عقد کفالہ سمجھا جائے گا۔مثلاً اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ میرے ذمہ تمہارا جو مال قرض ہے وہ میں نے اس شرط کے ساتھ فلاں شخص کے حوالہ کیا کہ تمہارا قرض اس وقت تک میرے ذمہ باقی رہے گا۔جب تک وہ فلاں شخص تمہارا قرض ادا نہ کرے۔ تو یہ عقد کفالہ ہوگا۔ اور عقد حوالہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ حوالہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے ذمے سے دوسرے کے ذمے قرض منتقل کرنا ہے۔یہاں قرض منتقل نہیں ہوا۔

۳۔ کلام میں اصل حقیقت ہے۔

حقیقت کا مطلب ہے لفظ کو ایسے معنی میں استعمال کرنا جس کے لئے وہ وضع کیا گیا ہے۔ جیسے لفظ اسد کو مشہور حیوان یعنی شیر کے لئے استعمال کرنا۔

مجاز کا مطلب ہے۔ لفظ کو ایسے معنی میں استعمال کرنا جس کے لئے وہ وضع نہیں کیا گیا ہے۔ بشرطیکہ معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان کوئی تعلق ہو اور ساتھ ہی ایسا قرینہ موجود ہو جو حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہو جیسے لفظ نور کا اطلاق اسلام یا علم پر۔

اس قاعدہ کا مقصد یہ ہے کہ کلام کو اسے حقیقی معنی پر محمول کرنا قابل ترجیح ہے نہ کہ معنی مجازی پہ محمول کرنا۔ البتہ اگر حقیقی معنی مراد لینا دشوار ہو جائے تو مجازی معنی کیطرف رجوع کیا جائے گا۔ اور اسی بنیاد پہ لوگوں کے عقود و تصرفات کی تفسیر کی جائے گی مثلاً اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنا گھر اپنی اولاد پہ وقف کیا۔ پھر نقرار پہ۔ تو یہ وقف صرف صلبی اولاد کیطرف منتقل ہوگا۔ اور پوتوں کو شامل نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ لفظ اولاد صلبی اولاد کے لئے حقیقت ہے۔ اور پوتوں کے لئے مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ (۱۲)

لیکن اگر وقف کرتے وقت وقف کرنے والے کی صلبی اولاد موجود نہ ہو بلکہ صرف پوتے ہوں تو یہ وقف پوتوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ صلبی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے لفظ کو حقیقی معنی یعنی صلبی اولاد پر محمول کرنا متعذر ہے۔ (۱۳)

۴۔ کلام کو مہمل قرار دینے کے مقابلہ میں اس کو معنی پہ محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔

جب تک کلام کو حقیقی یا مجازی معنی پہ محمول کرنا ممکن ہو اس کو مہمل و بے معنی قرار دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ کلام میں اصل حقیقت ہے لہذا جب تک کلام کو حقیقی معنی پہ محمول کرنا متعذر نہ ہو جائے اسے مجازی معنی پہ محمول نہیں کیا جائے گا۔ اور لفظ میں جب تاکید یعنی کلام سابق میں زور پیدا کرنا اور تاسیس یعنی نئے سرے سے بنیاد رکھنے کا احتمال ہو تو اسے تاسیس پہ محمول کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ تاسیس ایک ایسے نئے معنی کا فائدہ دیتی ہے جس پہ لفظ سابق مشتمل نہیں ہوتا اور تاکید صرف لفظ سابق کے اعادہ کا فائدہ دیتی ہے۔ لہذا اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ وہ دوسرے شخص کا دس دینار کا مقروض ہے لیکن اس نے قرض کا سبب نہیں بیان کیا بلکہ اس نے قرض خواہ کو اس کی دستاویز لکھ کر دیدی اس کے بعد اسی شخص مذکور کے لئے دوسری مرتبہ دس دینار کے قرض کا اقرار کیا اور اسکی بھی تحریر لکھ کر اس کو دے دی اور اسکی بھی وجہ بیان نہیں کی کہ یہ قرض کس سلسلے میں ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس کے اقرار کو تاسیس پہ محمول کیا جائے گا۔ یعنی دوسری دستاویز کا قرض پہلی دستاویز کے علاوہ ہوگا۔ (۱۴)

لیکن جب کلام پہ عمل کرنا متعذر ہو جائے تو ایسی صورت میں کلام مہمل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بارے میں جو عمر میں اس سے بڑا ہو یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ تو اس کا یہ کلام مہمل ہو جائے گا۔

۵۔خاموش رہنے والے کی طرف کوئی قول منسوب نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ضرورت کے موقع پر خاموش رہنا بیان کے مترادف ہے۔

یعنی خاموش رہنے والے کے متعلق یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ اس نے کوئی بات کہی ہے لیکن جہاں بولنا ضروری ہو وہاں سکوت اختیار کرنا اقرار و بیان کے مترادف ہوگا۔ یہ قاعدہ دو باتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر ایک شخص نے مالک کی موجودگی میں اس کا مال تلف کر دیا اور مالک خاموش رہا تو یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ صاحب مال کی طرف سے مال تلف کرنے کی اجازت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ضرورت کے موقع پر خاموش رہنا بیان کرنے کے مترادف ہے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کے پاس اپنا مال رکھا اور اس سے کہا کہ یہ مال تمہارے پاس امانت ہے اور جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ خاموش رہا تو ودیعت منعقد ہو جائے گی۔ اسی طرح جب نکاح کا ولی باکرہ لڑکی سے نکاح کی اجازت مانگے اور وہ لڑکی خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی اس کی طرف سے نکاح کی اجازت تصور کی جائے گی۔

۶۔نص کی موجودگی میں اجتہاد جائز نہیں ہے۔

کسی دلیل شرعی سے کسی شرعی حکم تک پہنچنے کے لئے اپنی پوری طاقت و قدرت خرچ کرنے کو فقہاء کی اصطلاح میں اجتہاد کہتے ہیں۔ اور اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اجتہاد صرف انہی مسائل میں ہو سکتا ہے جن کے متعلق شریعت میں کوئی نص صریح موجود نہ ہو۔ لیکن جن مسائل کے متعلق نص صریح موجود ہو ان میں اجتہاد جائز نہیں ہے۔ مثلاً سود کی حرمت کے متعلق نص وارد ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کے حلال کرنے کے لئے اجتہاد جائز نہیں ہے۔ اسی طرح میراث کے متعلق نص وارد ہوئی ہے کہ: للذكر مثل حظ الانثيين (۱۵)
یعنی مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ لہٰذا مردوں کو عورتوں کے برابر حصہ دینے کے لئے اجتہاد جائز نہیں۔

۷۔یقین شک سے نہیں زائل ہوتا ہے۔

لغت میں یقین کسی چیز کو برقرار رکھنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں کسی چیز کے واقع ہونے یا واقع نہ ہونے کے متعلق بے شک و شبہ علم حاصل ہونے کو یقین کہتے ہیں۔ اور ظن غالب حکم کے سلسلے میں یقین کے درجہ میں ہے۔
اور کسی چیز میں تردد کرنے کو لغت میں شک کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں فعل کے وقوع یا عدم وقوع میں تردد کو شک کہتے ہیں۔ یعنی فعل کے وقوع کو عدم وقوع پر ترجیح دینے والی کوئی چیز موجود نہ ہو۔ (۱۶)
اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کے متعلق یقین ہو وہ اس شک سے زائل نہیں ہوگا۔ جو اس پر طاری ہو جائے البتہ اسی جیسے یقین سے زائل ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کے ذمہ قرض کا ثبوت اس وقت تک زائل نہیں ہوگا۔ جب تک قرض خواہ

اس کو بری الذمہ نہ کردے یا مقروض اسے ادا نہ کردے۔ اسی طرح جس کا نکاح ثابت ہو گیا ہو اس کی زوجیت یقین کے بغیر زائل نہیں ہوگی۔ یا مثلاً کوئی شخص شرعی سبب کی وجہ سے کسی چیز کا مالک ہو تو اسکی یہ ملکیت اس وقت تک زائل کرنے والی کوئی چیز ثابت نہ ہو۔ (۱۷)

مذکورہ بالا تمام مثالوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک چیز یقینی طور پر ثابت ہے۔ لہذا یہ یقین اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کی نفی پہ دلیل قائم نہ ہو اور چونکہ خالی شک یقین کو متزلزل کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۸۔ بری الذمہ ہونا اصل ہے۔

ذمہ ایک وصف شرعی ہے جس کے ذریعے انسان ان حقوق کا اہل ہوتا ہے۔ جو اس کے لئے ہیں یا اس کے اوپر ہیں۔

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے کے لئے کسی حق میں مشغول نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو دوسرے کے ہر حق سے بری ہوتا ہے البتہ اس کے ذمہ کوئی چیز اس وقت عائد ہوتی ہے جب دوسروں کے ساتھ وہ کوئی معاملہ کرتا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے متعلق قرض کا دعویٰ کرے تو اس میں اصل یہ ہے کہ اس کے ذمہ قرض اس وقت تک ثابت نہیں ہوگا، جب تک مدعی اس قرض کو ثابت نہ کرے اور جس شخص کے خلاف قرض کا دعویٰ کیا گیا ہے اس وقت تک بری الذمہ ہے جب قرض لینا ثابت نہ ہو اسی لئے کہا جاتا ہے کہ متہم کی مصلحت کے مطابق شک کی تفسیر کی جائے گی۔ (۱۸) اس لئے کہ اصل براءت ہے اور اس کے قرض لینے میں شک کی صورت میں براءت کا پہلو قابل ترجیح ہے لہذا ہم مقروض کی مصلحت کے مطابق شک کی تفسیر کریں گے اس لئے کہ متہم کو بری کرنے میں غلطی کرنا ایک بری شخص کو مقروض بنانے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

۹۔ (ثبوت) مدعی کے ذمے ہے اور انکار کرنے والے پر قسم ہے۔ (۱۹)

فقہاء کے نزدیک بینۃ (ثبوت) سے مراد وہ شہادت ہے جو مدعی کے دعویٰ کی تائید کرے۔ (۲۰) مگر تحقیق یہ ہے کہ بینۃ شہادت میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ بینۃ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق کو بیان کرے اور ظاہر کرے۔ (۲۱)

عقل سلیم اس قاعدہ کی تائید کرتی ہے اس لئے کہ مدعی کا دعویٰ ظاہر کے خلاف ہے۔ اور بری الذمہ ہونا اصل ہے۔ لہذا مدعی کے ذمے یہ بات ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کی صحت کو ثابت کرے اور جب کسی طریقہ سے اس کی سچائی ظاہر ہو جائے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور اگر اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے اور بینۃ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعا علیہ دعویٰ کا انکار کرے تو اسے قسم کھانا ہوگی۔ اور جب وہ قسم کھائے گا۔ تو پھر اس کے ذمے کوئی چیز نہیں ہوگی اور مدعی کا دعویٰ رد کر دیا جائے گا۔ اس لئے کہ قسم کی وجہ سے مدعا علیہ کی سچائی ثابت ہو چکی ہے (۲۲)

۱۰۔جس چیز کا لینا حرام ہے۔اس کا دینا بھی حرام ہے۔

کسی دوسرے شخص کو حرام چیز دینا اور کسی دوسرے سے حرام چیز لینا حرمت میں برابر ہے۔اس لئے کہ منکر و فاسد و محرمات کا ازالہ شریعت میں مطلوب ہے۔لہٰذا اگر انسان ان مفاسد کے ازالے سے عاجز ہو تو کم ازکم ان کی زیادتی اور وقوع پذیر ہونے میں اعانت سے باز رہے اسی لئے رشوت دینا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح رشوت لینا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لعن اللہ الراشی والمرتشی (۲۳) یعنی رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔اسی طرح سود لینا اور سود دینا جائز نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لعن اللہ آکل الربو وموکلہ۔(۲۴) یعنی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

۱۱۔رعایا پر تصرف کرنا مصلحت سے وابستہ ہے۔

رعایا سے مراد وہ عام لوگ ہیں جو کسی ولی کی ولایت کے تحت ہوں جیسے بادشاہ، حاکم اور دیگر امور کے باقی تمام ولی۔لہٰذا جو شخص لوگوں کے کسی امر کا ولی ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف ایسے تصرفات کرے جو لوگوں کی مصلحت کے مطابق ہوں۔اس لئے کہ اسے صرف اس لئے ولی بنایا گیا ہے اور محض اس لئے اسے یہ اقتدار دیا گیا ہے کہ وہ ان کی خدمت کرے، ان میں عدل قائم کرے اور ان کی خیر و مصلحت کا لحاظ رکھے۔

یہ قاعدہ شرعی سیاست کی ایک عظیم الشان اصل کو بیان کرتا ہے۔اور اسی قاعدہ کی بناء پر کسی حاکم کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عام عہدوں پر امانت دار حاکم کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا تقرر کرے۔حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:

من ولی من امر المسلمین شیئا فولی رجلا وھو یجد من ھو اصلح للمسلمین منہ فقد خان اللہ ورسولہ۔(۲۵) یعنی جو شخص مسلمانوں کا والی بنایا جائے اور وہ کسی ایسے شخص کو حاکم بنائے جس سے زیادہ صلاحیت والا آدمی مسلمانوں کے لئے موجود ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی۔

اسی طرح کسی والی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی حرام چیز کی اجازت دے جیسے جوا، شراب وفسق وغیرہ۔ اگرچہ ٹیکس وغیرہ کی جمع کے سلسلے ہی میں کیوں نہ ہو۔

۱۲۔نہ ضرر جائز ہے اور نہ اضرار

کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اس کے جان یا مال میں ضرر پہنچائے اس لئے کہ ضرر ایک ظلم ہے اور تمام شریعتوں میں ظلم حرام ہے۔لیکن صرف وہ ضرر ممنوع ہے جو بالکل واضح اور حد سے بڑھا ہوا ہو اگرچہ کسی امر مباح کے کرنے سے وہ ضرر پیدا ہو مثلاً ایک شخص اپنے گھر میں پڑوسی کی دیوار سے ملحق کوئی کنواں، چہ بچہ

موری یا بدرو کھودے یا ایسی دیوار بنائے جو پڑوسی کی روشنی کو روک دے۔ اسی طرح وہ ضرر بھی ممنوع ہے جو کسی ناجائز و غیر مشروع فعل سے پیدا ہو مثلاً کوئی شخص عام رہگذر میں کوئی گڑھا کھودے۔ لیکن وہ ضرر جو کسی جائز فعل کے کرنے سے پیدا ہو وہ منع نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے گھر میں کوئی ایسی دیوار بنائے جو اس کے پڑوسی کی کھڑکی کے روشندان کو بند کر دے۔ (۲۶)

اسی طرح ضرار یعنی ضرر کا مقابلہ ضرر سے کرنا بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ جس شخص کو کوئی ضرر پہنچے اسے اپنے ضرر کے بدلے کے لئے قاضی کی عدالت کیطرف رجوع کرنا چاہئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال تلف کر دے تو اس دوسرے شخص کو تلف کنندہ کا مال تلف کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اسے ضرر کے ازالہ کے لئے عدالت کیطرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ لحاظ رہے کہ کبھی ضرر کے ذریعے ضرر کا مقابلہ کرنا مباح بلکہ واجب ہوتا ہے۔ مثلاً حکام مجرموں کو جو سزائیں دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جرم کے بدلے میں سزا دینا ایک ضرر ہے۔ لیکن شریعت نے نہ صرف اس کی اجازت دی ہے کہ بلکہ اس کو ضروری قرار دیا ہے۔ تاکہ مجرمین جرم سے باز رہیں اور لوگوں پر ظلم نہ کرنے پائیں۔

۱۳۔ ضرر کا ازالہ ضروری ہے۔

جیساکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ضرر ایک ظلم ہے۔ لہٰذا اس کا ازالہ واجب ہے اس قاعدہ پر بہت سے فروع مبنی ہیں مثلاً عیب کی وجہ سے خرید کردہ مال کو واپس کرنا، بچہ اور دیوانہ کو مالی معاملات سے روکنا، شفعہ کا نظام رائج کرنا، تلف شدہ مال کا تاوان ادا کرنا، فتنوں کا قلعہ قمع کرنا، باغیوں کو قتل کرنا، وبائی امراض کو پھیلنے سے روکنے کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا، ٹال مٹول کرنے والے قرضدار کے مال کو ادائیگی قرض کے لئے فروخت کرنا، یا اپنے گھر میں چمڑا پکانے کا ایسا کارخانہ قائم کرنے سے روکنا جس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہوتی ہو اور اسی طرح کے دوسرے مسائل۔ لیکن جب ضرر کا ازالہ ضروری ہو تو اسی جیسے یا اس سے زیادہ ضرر پہنچاکر ضرر کا ازالہ کرنا جائز نہیں ہے۔ جیساکہ اس کے متعلق الگ ایک دوسرا قاعدہ موجود ہے اسی وجہ سے فروخت شدہ مال میں اگر کوئی نیا عیب پیدا ہو جائے تو خریدار کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ پرانے عیب کی وجہ سے خرید کردہ مال بیچنے والے کو واپس کرے۔ لیکن ضرر کو بقدر امکان زائل کرنا ضروری ہے اور اس کیلئے جو ذریعہ بھی ممکن ہو اختیار کیا جائے۔ مثلاً ایک شخص اپنے گھر میں ایسی کھڑکی لگانا چاہتا ہے جس سے پڑوس کی عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے۔ تو اس شخص کو اس سے روکا جائے گا۔ البتہ اگر اس پر اس نے ایسا پردہ لگا دیا جو بے پردگی روکنے کے لئے کافی ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ضرر کا ازالہ کر دیا۔

۱۴۔ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص برداشت کیا جائے گا۔

ضرر عام وہ نقصان ہے جو عام لوگوں کو پہنچے اور ضرر خاص وہ نقصان ہے جو فرد واحد یا چند افراد کو پہنچے۔ لہٰذا ضرر خاص ضرر عام سے کمتر ہے اسی وجہ سے ضرر عام کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اگرچہ اس کی وجہ سے ضرر

خاص واقع ہو۔

اس قاعدہ پر بہت سے احکام مبنی ہیں مثلاً جاہل طبیب کو علاج کرنے سے روکنا اور مخول کرنے والے بے حیا مفتی کو فتویٰ دینے سے منع کرنا، یا آگ کے اثر کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے چند گھروں کو منہدم کر دینا، غذائی اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا جبکہ تاجروں کو انکی قیمتیں بڑھانے یا ذخیرہ اندوزی کرنے کا لالچ ہو، یا بعض اشیاء کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانے سے روکنا جب کہ اسکی وجہ سے ان اشیاء کے نرخ بڑھنے کا اندیشہ ہو یا سڑک کے کنارے پر واقع ایسی دیوار کو منہدم کرنا جس کے گرنے کا خطرہ ہو۔

۱۵۔ ضرر خفیف کے ذریعے ضرر شدید کو زائل کرنا جائز ہے۔

مثلاً اگر ایک شخص کو بھوک کی وجہ سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسرے شخص کا اس قدر مال لے جو اس کی ہلاکت کو دور کر سکے اگرچہ اس کے لئے اسے صاحب مال پر جبر اور زبردستی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ البتہ اگر صاحب مال کو بذات خود اس شخص کی طرح سے اس مال کی ضرورت ہو تو پھر اس کا مال لینا جائز نہیں ہے۔ یا مثلاً بعض اقرباء کو نفقہ ادا کرنے پر مجبور کرنا، یا ٹال مٹول کرنے والے قرضدار کو قید کرنا۔ یا شہر کو غرق ہونے سے بچانے کے لئے بند کو توڑ دینا۔

۱۶۔ ضرورتیں محرمات کو مباح کر دیتی ہیں۔

ضرورت ایک سبب ہے جو بعض اوقات انسان کو حرام فعل کے ارتکاب پر مجبور کر دیتا ہے ــــ لہٰذا شریعت نے ضرورت کو ایک ایسا عذر تسلیم کیا ہے جس کی وجہ سے ناجائز و ممنوع جائز مباح ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حالت اضطراب میں مردار کا گوشت کھانا، یا شدید جبر کی صورت میں کلمہ کفر کہنا، یا اگر جہاز بھاری بوجھ کی وجہ سے ڈوبنے کے قریب ہو تو لوگوں کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے اس جہاز کے کچھ سامان کو سمندر میں پھینک دینا، یا اگر جان کا ہلاک ہونا یقینی ہو تو غیر کا مال چھین لینا۔ لیکن اس سلسلے میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ کہ جو چیز کسی ضرورت کی وجہ سے جائز کی گئی ہے وہ ضرورت کی مقدار سے زائد نہ ہو لہٰذا جو شخص مردار کا گوشت کھانے پر مجبور ہو وہ صرف اس قدر کھائے جس سے اسکی جان بچ سکے، پیٹ بھر کر کھانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سمندر میں صرف اس قدر سامان ڈالا جائے گا جس سے جہاز ڈوبنے سے محفوظ ہو جائے۔ اس سے زائد نہیں۔

۱۷۔ حاجت ضرورت کی قائم مقام ہے۔

حاجت عامہ وہ حاجت ہے جو کسی خاص انسان یا دنیا کے کسی خاص حصے سے مخصوص نہ ہو بلکہ ان سب میں عام ہو مثلاً مزدور رکھنے اور مزدوری رکھنے کی حاجت۔ اور حاجت خاصہ وہ حاجت ہے جو خاص انسان، خاص گروہ یا خاص صنف سے مخصوص ہو۔ مثلاً تاجروں کو حاجت ہوتی ہے کہ وہ تجارت کے لئے صرف تھوڑے سے نمونہ

کو پوری چیز کے دیکھنے کے اختیار کو ساقط کرنے والے کی حیثیت سے اعتبار کریں۔ (۲۷)

یا بیع سلم اور بیع استصناع (۲۸) کی چونکہ حاجت ہوتی ہے۔ اس لئے شریعت نے ان دونوں کی اجازت دی ہے۔

۱۸۔ منفعت حاصل کرنے کے مقابلے میں مضرت کا دور کرنا بہتر ہے۔

شریعت کے احکام کا مقصد خرابیوں کو دور کرنا اور بھلائی کا حاصل کرنا ہے اور ایسی چیزیں بہت کم ہیں جن میں صرف بھلائی ہی بھلائی ہو یا ان میں صرف خرابی ہی خرابی ہو۔ بلکہ زیادہ تر چیزیں ایسی ہیں جو بھلائی اور برائی دونوں پر مشتمل ہیں۔ (۲۹) اسی لئے جب بھلائی اور برائی دونوں میں تعارض ہو تو خرابی دور کرنے کو بھلائی حاصل کرنے پر فوقیت ہوگی اس لئے کہ شریعت نے اوامر کے مقابلہ میں نواہی پر زیادہ توجہ دی ہے۔ اسی بنیاد پر انسان کو ایسا کام کرنے سے منع کیا جائے گا جو کہ دوسرے کو نقصان پہنچائے اور اس فائدہ کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ جو اس کام کے کرنے سے کسی کو حاصل ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنی ملکیت میں کوئی ایسا تصرف کرنا چاہے جس سے اس کے پڑوسی کو زیادہ نقصان پہنچے اور مالک کو اس تصرف سے کم فائدہ پہنچے تو مالک کو ایسے تصرف سے روک دیا جائے گا۔

۱۹۔ عادت جج کی حیثیت رکھتی ہے۔

عادت کے معنی ہیں کسی چیز کی تکرار اور اس کا بار بار ہونا یہاں تک کہ وہ چیز دل میں جم جائے اور اس کے نزدیک مقبول و پختہ ہو جائے۔ اور عرف بھی عادت کے معنی میں ہے۔

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ عادت خواہ عام ہو یا خاص شرعی حکم ثابت کرنے کے لئے حکم یعنی جج کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اگر کسی معاملے میں کوئی نزاع یا اختلاف ہو تو اس میں عادت کیطرف رجوع کیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ ایسی دلیل ہے جس پر حکم کا دار و مدار ہے۔ لیکن شرعی حکم ثابت کرنے کے لئے عادت صرف اسی وقت جج بن سکتی ہے جبکہ اس حکم کے بارے میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو اور اگر کوئی نص موجود ہو تو پھر اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اور نص کو چھوڑ کر عادت پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۳۰)

اس قاعدہ کی مثال یہ ہے کہ وقف کرنے والوں کے الفاظ کی تفسیر و تعبیر ان کی عادت و عرف کے مطابق ہوگی۔ یا مثلاً اگر کسی شخص نے اپنے کپڑے درزی کو سینے کے لئے یا دھوبی کو دھونے کے لئے دئے، یا ایسی کشتی پر سوار ہو، جس کا مالک اجرت لینے میں مشہور ہے تو یہ سب لوگ اُجرت کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کے متعلق یہ عرف و رواج ہو کہ وہ بغیر تذکرہ کئے فروخت شدہ چیز کے ساتھ شامل ہو جاتی ہو تو چیز شامل ہو جائے گی مثلاً ایک شخص نے اپنا گھر فروخت کیا تو از روئے عرف بغیر ذکر کئے اس میں وہ باغ بھی شامل ہو جائے گا جو اس سے متعلق ہو۔

لیکن اس چیز کا خیال رکھنا چاہیئے کہ عادت کا اعتبار صرف اس وقت ہوتا ہے جب وہ عام ہو یعنی اس کی

خلاف ورزی کبھی نہ ہوتی ہو یا وہ عادت غالب ہو یعنی کبھی کبھی اس کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ ساتھ ہی عادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ عادت اس چیز کے ساتھ ہو یا اس سے پہلے ہو جس میں عادت کا حکم جاری کرنا مقصود ہو اور اگر عرف و عادت کا وجود اس چیز کے بعد ہو تو ان کا اعتبار کرنا ناجائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح عادت کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ نہ تو وہ شارع کی نص کے خلاف ہو اور نہ معاملہ کرنے والے دونوں فریقوں کی شرائط کے خلاف ہو۔

عرف کی رعایت ہی کی بنیاد پر فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ :-

المعروف عرفا کالمشروط شرطا - یعنی جس چیز کا عرف میں رواج ہو وہ ایسی ہے جیسے گویا وہ مشروط ہے۔

مثلاً ہوٹل میں سونا، حمام میں غسل کرنا اور مطبخ میں کھانا کھانا ان میں سے ہر ایک کی اجرت ادا کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ عرف میں اس کا رواج ہے اگرچہ معاملہ کرنے سے پہلے اس کا ذکر نہ کیا جائے اسی طرح اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو کسی کام میں مشغول کرے اور اس سے اجرت طے نہ کرے تو عرف کو دیکھا جائے گا۔ اگر عرف اس کی اجرت کا تقاضا کرتا ہے۔ تو اس کو اجرت دلوائی جائے گی۔ جیسے دلال اور اگر عرف میں اس کے لئے اجرت کا رواج نہ ہو تو اس کام میں مشغول ہونے والا شخص اجرت کا مستحق نہ ہوگا۔ (۳۱)

اسی قاعدہ سے یہ قاعدہ بھی متفرع ہوتا ہے۔ کہ عرف جس چیز کے معین کرنے کا فیصلہ کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے نص سے اس کی تعیین ہوتی ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو بیع مطلق کے لئے وکیل مقرر کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ثمن مثل پر فروخت کرنے کا پابند ہے۔ اسی طرح امانتوں کے متعلق عرف کا تقاضا یہ ہے کہ انکی اسی طرح حفاظت کی جائے جس طرح کہ عادت کی رو سے ان کی مثل کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اگرچہ امانت رکھنے والے شخص نے حفاظت کی شرط نہ لگائی ہو۔

۲۰۔ زمانہ کی تبدیلی سے احکام بدل جاتے ہیں۔

زمانہ بدل جانے سے جو احکام بدل جاتے ہیں یہ وہ احکام ہیں جو عرف و عادات پر مبنی ہیں۔ زمانہ بدل جانے سے ان کے احکام بدل جاتے ہیں اس لئے کہ زمانہ کی تبدیلی سے لوگوں کی حاجتیں بدل جاتی ہیں اور اس تبدیلی کی وجہ سے عرف بھی بدل جاتا ہے اور عرف کی تبدیلی سے وہ احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں جو عرف پر مبنی ہوتے ہیں لیکن وہ احکام جو نص شرعی پر مبنی ہیں اور عرف و عادت پر مبنی نہیں ہیں وہ تبدیل نہیں ہوتے۔ مثلاً قتل عمد کا قصاص چونکہ کسی عرف و عادت پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ نص شرعی پر مبنی ہے۔ لہذا اس کا حکم زمانہ کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہوگا۔

اس قاعدہ کی مثال یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں عرف یہ تھا کہ کسی مکان کی ایک کھڑکی دیکھ لینے سے بقیہ مکان دیکھنے کا اختیار ساقط ہو جاتا تھا لیکن جب عرف تبدیل ہو گیا تو فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ صرف ایک کھڑکی دیکھ لینے سے بقیہ مکان دیکھنے کا اختیار ساقط نہیں ہوگا بلکہ گھر کے تمام متعلقات کو دیکھنا ضروری ہے۔ یا مثلاً امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ

مال کے دعویٰ میں گواہوں کا تزکیہ لازم نہیں تاوقتیکہ فریق مخالف ان گواہوں کو مطعون نہ کرے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں لوگ نیک اور صالح ہوتے تھے لیکن جب لوگوں کے حالات بدل گئے اور ان کی ذمہ داری میں فتور آگیا تو امام ابویوسف اور امام محمد بن حسن الشیبانی نے فتویٰ دیا کہ گواہوں کے ظاہر و باطن کا تزکیہ ضروری ہے ۔ اسی طرح حنفی فقہاء کے نزدیک غاصب پر کوئی تاوان نہیں ہے لیکن متاخرین فقہاء حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا کہ وقف اور یتیم کا مال غصب کرنے والے پر تاوان واجب ہے اور اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ متاخرین کے دور میں لوگ غصب کے ذریعے وقف اور اموال یتامیٰ سے نفع حاصل کرنے میں تساہل کے عادی ہو گئے تھے ۔

۲۱۔ شاذ و نادر کا اعتبار نہیں ہے بلکہ غالب شائع کا اعتبار ہے ۔

شائع :۔ اس امر کو کہتے ہیں جو اس قدر عام ہو کہ سب لوگوں کو معلوم ہو اور ان سب کے درمیان وہ بات پھیل گئی ہو۔

نادر :۔ وہ امر ہے جو کم وقوع پذیر ہو۔

احکام مرتب کرنے میں امر شائع کا اعتبار ہوتا ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور امر نادر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ مثلاً پندرہ سال میں بالغ ہونے کا حکم ۔ اس لئے کہ عام طور سے اسی عمر میں لڑکے بالغ ہو جاتے ہیں ۔ اگرچہ بعض لوگ سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ ہوتے ہیں ۔ اسی طرح لڑکے کی مدت حضانت سات سال ہے اور لڑکی کی نو سال ہے ۔ اس لئے کہ عام طور سے یہی شائع و ذائع ہے کہ لڑکا جب سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو کھانے پینے اور اسی طرح کی دوسری چیزوں میں دوسروں کی مدد سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔ (۳۲)

۲۲۔ جو شخص نفع حاصل کرے گا وہی نقصان بھی برداشت کرے گا ۔

یعنی جو شخص کسی چیز سے فائدہ اٹھائے گا ۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نقصان بھی وہی برداشت کرے گا۔ چنانچہ شرکاء تجارت اپنے حصص کے اعتبار سے خسارہ برداشت کریں گے جس طرح وہ اپنے حصص کے اعتبار سے نفع حاصل کرتے ہیں ۔ اسی طرح مشترک زمین کی درستگی وغیرہ کے اخراجات شرکاء اپنے حصص کے اعتبار سے برداشت کریں گے جس طرح وہ اپنے حصص کے اعتبار سے اس زمین سے پیدا ہونے والے غلہ کے حقدار ہوتے ہیں ۔ اسی طرح زمین کی رجسٹری کے اخراجات خریدار برداشت کرے گا ۔ اس لئے کہ اس رجسٹری سے فائدہ بھی وہی اٹھائے گا ۔

۲۳۔ جانور اگر کوئی نقصان پہنچائے تو اس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا ۔

چوپایہ اگر کسی چیز کو تلف کر دے یا انسان کو کوئی نقصان پہنچائے تو وہ معاف ہے اور اس کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے الا یہ کہ یہ ضرر اس مالک کی کسی زیادتی یا کوتاہی سے پہنچے ۔ لہذا اگر کسی شخص نے اپنے گھوڑے کو کسی ایسی جگہ باندھا جو اسی کے لئے بنائی گئی تھی اور اس گھوڑے نے کسی دوسرے گھوڑے کو تلف کر دیا تو اس کے مالک پر کوئی

تاوان نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کسی نے اپنے جانور کو دوسرے کے کھیتوں میں آزاد چھوڑ دیا یا اس نے اپنے جانور کو دوسرے کے کھیتوں میں دیکھا اور اس نے اپنے جانور کو روکا نہیں تو دونوں صورتوں میں اس پہ تاوان ہوگا۔ پہلی صورت میں اس لئے کہ اس نے زیادتی کی ہے اور دوسری صورت میں اس لئے کہ اس نے کوتاہی کی ہے۔

۲۴۔ غیر کی ملکیت میں اسکی اجازت کے بغیر تصرف جائز نہیں۔

ہر شخص کی ملکیت قابل احترام ہے لہذا مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیر کے ملک میں کوئی تصرف کرکے اس ملکیت کی بے حرمتی کرے۔ اس لئے مشترک مال کو شریک کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح پڑوسی کی دیوار کو اس کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن یہ اجازت کبھی یہ اجازت دلالتاً ہوتی ہے جیسے چرواہے کا اس بکری کو ذبح کرنا جو مرنے کے قریب ہے۔ اس میں دلالتاً اس چرواہے کو اس بکری کے ذبح کرنے کی اجازت ہے۔

جس طرح کسی کو غیر کی ملکیت میں اسکی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو غیر کی ملکیت میں تصرف کا حکم دے۔ اسی بنیاد پر فقہ کا یہ قاعدہ ہے کہ "غیر کے ملک میں تصرف کا حکم باطل ہے۔" لہذا اگر مامور نے آمر کے حکم کی تعمیل کی تو اس کے فعل کی وجہ سے اس پہ تاوان ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی غیر کے حکم کی تعمیل میں کسی کا مال تلف کردے تو اس پہ تاوان ہوگا لیکن اگر اس سے تعمیل حکم زبردستی کرائی جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ البتہ اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ آمر کے علاوہ کسی دوسرے کا یہ مال ہے تو اس پہ تاوان تو ہوگا لیکن اسے یہ حق بھی ہوگا کہ وہ اس تاوان کو آمر کیطرف موڑ دے اور اس سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ یہ تاوان ادا کرے۔

۲۵۔ اجرت اور ضمان (تاوان) دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔

ضمان (تاوان) سے مراد یہ کہ جس چیز پہ ضمان (تاوان) واجب ہو وہ چیز مثل والی ہو تو اس کا مثل دیا جائے گا اور اگر وہ چیز قیمت والی ہے تو اس کی قیمت ادا کی جائے گی۔

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں ضمان تاوان واجب ہو اس میں اجرت واجب نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ضمان میں ملکیت کے معنی ہیں اور ضامن مالک کی طرح ہوتا ہے اور مالک کو اپنی ملکیت کی اجرت نہیں دی جاتی ہے۔ اسی طرح ضامن کو اجرت نہیں دی جائے گی۔ اسی لئے اگر کسی شخص نے کوئی چیز کرایہ پہ لی پھر اپنی کسی زیادتی یا کوتاہی کی وجہ سے اسے تلف کر دیا تو تلف کردہ چیز کے مثل یا اسکی قیمت کا وہ ضامن ہوگا اور اس کے ذمے اس کی کوئی اجرت نہیں ہوگی۔ (۳۳)

۲۶۔ جو شخص قبل از وقت کسی چیز کے حصول کی کوشش کرے گا وہ محروم ہوگا۔

اس قاعدہ کی بنیاد شرعی سیاست پہ ہے اور اس کا مقصد ان ذرائع کا سدباب کرنا ہے جو فساد کا باعث

ہیں اور اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص غیر شرعی ذرائع اختیار کرکے اپنے مقصود کو جلد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اپنے مقصود سے محروم کر دیا جائے گا یہ اس کی جلدی کی سزا ہے۔ مثلاً کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو وہ وراثت سے محروم ہوگا۔ اسی طرح اگر موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) اپنے موصی (وصیت کرنے والے) کو قتل کر دے تو موصی لہ محروم ہو جائے گا۔ یا جو شخص مرض الموت میں مبتلا ہے اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدے تب بھی وہ بیوی اس کی وارث بنے گی تاکہ اس کے برے مقصد کی تکمیل نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اسکی عدت کے دوران نکاح کیا تو وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی اور ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی جائے گی اور فقہائے سلف کے فتوی کے مطابق اس کے بعد وہ عورت اس مرد کے لئے کبھی حلال نہ ہوگی۔

کتابیات:- ۱- ابن نجیم الاشباہ والنظائر وشرحہ للحموی ص ۲۲ ۲- پروفیسر علی حیدر درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ص ۱۵ ۳- ڈاکٹر عبدالکریم زیدان الوجیز فی اصول الفقہ ص ۱۱ ۴- پروفیسر مصطفےٰ احمد الزرقاء۔ المدخل الفقہی العام۔ ۵- القرافی الفروق ص ۲-۳ ۶- النووی ریاض الصالحین ص ۱۲-۱۳ ۷- بخاری بدءالوحی ص ۲ پروفیسر منیر القاضی شرح المجلۃ ص ۴۵ ۸- سورہ البقرہ آیت ۲۳۱۔ ۹- پروفیسر علی حیدر درر الحکام ص ۱۹ - ۱۰- پروفیسر منیر القاضی شرح المجلۃ ص ۵۶ ۱۱- پروفیسر علی حیدر درر الحکام ص ۱۹- ۱۲- السیوطی جلال الدین الاشباہ والنظائر ص ۵ ۱۳- پروفیسر علی حیدر درر الحکام ص ۵۳ ۱۴- پروفیسر علی حیدر درر الحکام ص ۲۰ ۱۶- سورۃ النساء آیت ۱۱ ۱۷- ڈاکٹر عبدالکریم زیدان الوجیز فی اصول الفقہ ص ۲۵۹ ۱۸- ڈاکٹر عبدالکریم زیدان الوجیز فی اصول الفقہ ص ۲۴۰ ۱۹- پروفیسر علی حیدر درر الحکام ص ۴۵ - ۲۰- الجوزیۃ ابن القیم الطرق الحکمیۃ ص ۲۳ ۲۱- السیوطی جلال الدین الاشباہ والنظائر ص ۲۹ ۲۲- البیہقی السنن الکبری ۸/۱۲۳ - ۱۰/۲۵۲ ، الزیلعی نصب الرایۃ ۴/۹۵-۹۶ ، العسقلانی الدرایۃ ۲/۱۶۵ رقم ۸۳۰ ، العسقلانی تلخیص الحبیر ۴/۲۰۸ رقم ۲۱۳۵ ، ابن قطلوبغا تخریج احادیث البزدوی ص ۱۶۵-۱۶۷ ، الترمذی سنن ۲/۳۹۹ رقم ۱۳۵۶ ، الاحوذی تحفۃ رقم ۱۳۵۶ ، ابن الاثیر جامع الاصول ۱۰/۵۵۴ رقم ۷۵۱۰ ، ۱۰/۵۵۵ ، المناوی التیسیر ۱/۴۴۴ ، البخاری الرھن ۲/۵۷ ، المسلم الاقضیۃ ۳/۱۳۳۶ ، رقم ۲/۱۷۱۱ ، المسلم شرح النووی ج ۲ ص ۲ ، ابن ماجہ الاحکام ۲/۷۷۸ رقم ۲۳۲۱ ، ابوحنیفہ مسند ص ۲۲۰ - رقم ۴۹۴ ، ابوحنیفہ جامع المسانید - ۲/۲۷۰-۲۷۱ - ۲۳- بخاری ج ۲ کتاب اللباس باب الوشمۃ ص ۲۷۹ - مسلم ج ۱۱ - کتاب المساقاۃ باب الربا ص ۲۶ - ترمذی ج ابواب البیوع باب اکل الربو ص ۱۴۵ - ابوداود کتاب البیوع باب آکل الربا وموکلہ ص ۱۱۷ - النسائی ج ۸ - کتاب الزینۃ باب الموتشمات ص ۱۴۷-۱۴۸ - ابن ماجہ ج ۲ التجارات باب التغلیظ فی الربا ص ۴۰ - دارمی بیوع ۳۸۵ حدیث نمبر ۲۵۰۶ مسند احمد بن حنبل مسند ج ۱ - ص ۸۳-۸۸-۹۳-۱۰۷-۱۲۱

باقی ص۲۹ پر